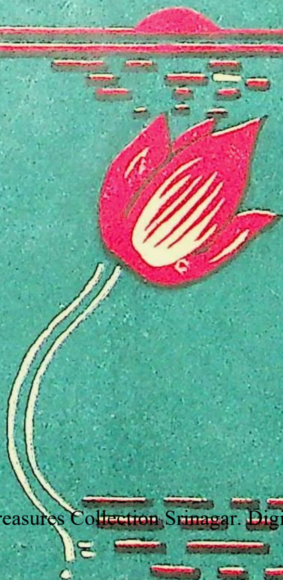


8

June 1941

Sv

BA

زراعت

یکوم ثبت

خرام صبا

[illegible]

ماں کے نام۔

بار اوّل - دسمبر ۱۹۶۱ء
تعداد - ایک ہزار
سرورق - پنڈت سنسار چند بٹھو
کتبہ - عبدالرحمان بٹ
مطبوعہ - ہندوستان آرٹ پریس، جموں
قیمت - تین روپیہ

ترتیب

دو باتیں

زندگی سے بھرپور اور والہانہ پیار میری سب سے بڑی آرزو ہے، سب سے بڑا ارمان ہے، اس پیار نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ نرم و نازک اور رنگین پھولوں جیسے حسین و لطیف احساسات، لرزتے ہوئے آبدار آنسو، جذبات کے زیر و بم کو نغمگی ودیعت کرنے والی دھڑکن اور مسکراہٹیں، نور اور آب کوثر سے دھلی ہوئی اُمیدیں، مسرتیں اور تمنائیں —— اس نے مجھے اس کے سوا بھی بہت کچھ دیا ہے اس نے مجھے نغمہ بار دھڑکنوں کو جامد کرنے والے نوحے بھی بخشے ہیں۔ سسکتی ہوئی آہیں اور جان لیوا ٹیسیں بھی بخشی ہیں۔ ان نوحوں، آہوں اور ٹیسوں نے اگر میرے چہرے پر حزن و ملال کی گرد ڈال دی ہے، لیکن انہوں نے مجھے ایسی راہوں پر ڈال دیا ہے۔ جو خود زندگی اور اُس کے پیار سے بھی زیادہ جمیل و جلیل ہیں۔ جو ایک ایسی منزل پر لے جاتی ہیں، جہاں قلب انسانی کی ہر تاریکی دُھل جاتی ہے، جہاں بھوک اور پیاس، افلاس اور تنگدستی ختم ہو جاتی ہے، جہاں زمانے کی جفا کاری اور بے وفائی کے عوض ماں کی ممتا اور محبوبہ کا پیار ملتا ہے۔

اِس مختصر سی تمہید کو سپُرد قلم کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں آپ کو ان جذبات سے آگاہ کروں جنہوں نے میری شاعری کو جنم دیا ہے، ان دھڑکنوں اور اُمیدوں سے روشناس کروں، جنہوں نے میری شاعری کو زیر و بم بخشا ہے —— اُن موضوعات سے تعارف کراؤں جو میری شاعری کی جھولی میں سمو گئے ہیں

میں ایک عرصے سے لکھتا ہوں، اس دوران میں اپنی شاعری کی نوک پلک سنوارنے اور فن سے روشناس ہونے کے لئے مجھے صرف اپنے ان دوستوں ہی پر اکتفا کرنا پڑی، جو میری طرح ہی یا تو کسی اُستاد کی تلاش میں تھے یا خود مجھ سے مل بیٹھ کر شاعری اور اس کے فن کو زیر بحث لاتے۔ اس کے لئے یا تو کشمیر کا وہ کردار ذمہ دار ہے جس نے اسے ملک کے ایک سرے پر جگہ دی ہے، یا زبان اردو کے اُن "شاہ سواروں" کا کردار جنہوں نے اپنے سوا کسی دوسرے کو اپنا ہمنوا سمجھنا گوارا نہیں کیا، جنہوں نے زبان اُردو یا شاعری کو خالص اپنی میراث سمجھا اور ملک کے دُور افتادہ علاقوں میں رہنے والوں کی عبارت کو اپنی توہین سمجھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہماری ریاستی حکومت اُن پر لاکھوں صرف کر کے انہیں یہاں کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں شرکت کرنے کی دعوت دے کر انہیں اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ یہاں اُردو کی قدر ہے، یہاں اردو زندہ ہے اور یہاں اردو میں لکھنے والے موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے انہیں اردو زبان سے عشق ہو۔ وہ چاہتے ہوں کہ یہ پھولے پھلے اور ہندی کے بعد قومی زبان کا درجہ حاصل کرے۔ اور وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ زبان اردو میں ہر نئے لکھنے والے کی چاہے وہ ملک کے کسی علاقے سے تعلق رکھتا ہو، حوصلہ افزائی کی جائے۔ لیکن اپنے اس عشق کو کامیاب کرنے کے لئے وہ آپ تک عملی طور پر کیا کر سکے ہیں...

وہ سب کچھ اردو کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کے سامنے ہے، ان کے اسی رویّہ کی وجہ سے آج زبانِ اردو کو دھکا لگ رہا ہے۔ اردو کے ان "شاہ سواروں" اور "مستند استادوں" کے رویّہ کو دیکھ کر میری اور میرے کئی دوستوں کی غیور طبیعت

نے یہ کبھی گوارا نہیں کیا کہ ہم ان کی اس ذہنیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں یا ان کے سامنے نمالغوے .... سمجھ کر کے با ادب بیٹھ جائیں۔

ان حالات کے باوجود میں نے کوشش کی ہے کہ میں اپنی تخلیقات کو خوش جگہ سے جلا دوں، انہیں احساسات کی دھڑکنیں عطا کروں، انہیں مد و حیات کے زیر و بم سے نغمہ بار کردوں، انہیں زندگی کے رنگ و نور سے شرابور کردوں، انہیں اُمید کی نہ بجھنے والی روشنی سے تابناک کردوں ــــ اس کار خیر کو میں کس حد تک نبھا سکا ہوں، یہ دیکھنا آپ کا کام ہے ــــ

میں نے اپنی ان تخلیقات کے بارہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ جنہیں میں نے اس مجموعے میں جگہ دی ہے۔ اس مجموعے میں شامل نظمیں اور غزلیں دراصل اُن بیشتر نظموں اور غزلوں سے منتخب کی گئی ہیں جو میں ۱۹۶۰ء کے آخیر تک کہہ چکا ہوں۔

"نوزائیدہ بچے کے نام" ایک نظم ہے جو اس مجموعے میں شامل ہے، اسے میں نے اپنے دوست امین کامل کے ایک صاحبزادے کی پیدائش سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

میں جموں و کشمیر کلچرل اکیڈیمی کا ممنون ہوں، جس کی مالی امداد کے سوا، یہ مجموعہ شائع ہونا مشکل تھا، ــ پہلے میں نے اس مجموعہ کلام کا نام "خرام حیات" رکھا تھا۔ لیکن اب اسے بدل کر "خرام صبا" کر دیا ہے۔ یہ تبدیلی محض جذباتی پسندیدگی کی بناء پر کی گئی ہے۔

میں ان دوستوں کا بھی بہت شکرگزار ہوں جنہوں نے ہر مرحلے پر مجھے

مُفید مشورے دیئے اور میری حوصلہ افزائی کی۔ میرا اپنے دوستوں اور کرم فرماؤں کی ہمدردیوں کا نتیجہ ہے کہ آج میں یہ ہدیۂ ناچیز آپ کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

جموں۔
یکم دسمبر ۱۹۶۱ء

مہندر رینہ

بادِ صبا بہ گلشنِ حُسنِ تو رہ نیافت
آنی غنچۂ دہن بہ نسیمِ سخن شگفت

غنی

بخشے جو حادثات نے گُل اور سمن مجھے
اِن کو تمہاری نذر کئے جا رہا ہوں میں
میرے لئے بہت ہے تری دلبری کی مے
ہر آن جس کو پی کے جئے جا رہا ہوں میں

کشمیر

ارضِ کشمیر پکاروں تجھے کس نام سے میں
ماں کہوں، پیار کہوں، پیار کا سامان سمجھوں
تجھ کو محبوب کہوں یا کہ نگارِ گیتی
یا مسیحائے زماں، درد کا درماں سمجھوں

ابنِ آدم نے تجھے جنتِ ارضی جانا
حُسن کاروں نے تجھے حُسن کا ساماں سمجھا
دیدۂ عشق نے بھی بزمِ نگاراں سمجھا
نو بہاروں نے تجھے جانِ بہاراں سمجھا

دودھیا چشمے چھلکتے ہوئے کہساروں میں
زینتِ شعر بنے، نطق بنے، ساز بنے
سرو و شمشاد نے بخشا تری قامت کو وقار
لالہ و گل سے ترے حسن کے انداز بنے

دُور تا حدِ نظر دھان کے کھیتوں کی قطار
جیسے فطرت کی حسینہ کا مچلتا آنچل
صاف شفّاف سی جھیلوں کا سماں کیا کہیے
جن میں رقصندہ ہیں رنگین و دلاویز کنول

اور جہلم کی روانی کہ خرامِ محبوب
کھینچ لیتی ہے جو انسان کے دل کا دامن
سینۂ کوہ پہ پھیلی ہوئی پیاری مرگیں
جن کے پہلو میں لہکتے ہوئے سہانے گلشن

مرغزاروں میں مہکتے ہوئے پھولوں کا سماں
دلِ عاشق کی تمنائیں ابھر آئی ہیں
یہ گل و لالہ و نسریں، یہ شگوفے، یہ بہار
آرزوئیں ہیں جو لہرا کے نکھر آئی ہیں

آبشاروں میں ہے پگھلی ہوئی چاندی رقصاں
تیرے پانی میں ہیں دولت کے خزینے پنہاں
تیرے صحراؤں کے ذرے ہیں سراسر اکسیر
تیری مٹی میں ہیں قاروں کے خزینے قرباں

زندگی حسن کے سانچے میں ڈھلی ہے ہر سُو
گویا سرشار جوانی پہ بھی چھائی ہے بہار
چارسُو زیست کے نغموں کی فراوانی ہے
کہیں کوئل کے ترانے، کہیں گاتی ہے ہزار

تیرے صنّاعوں کا اب بھی ہے جہاں شیدائی
جن کی صنّاعی نے پتھّر سے تراشی ہے حیات
جن کی محنت سے سنورتی ہی زلفِ ہستی
جن کی صنّاعی سے کھائی مہ و خورشید نے مات

وہ جو دو اک گام چل کر رک گئے
نکتہ ہائے ما و تو میں کھو گئے

میکدے میں کتنے ذی حس تھے مگر
گردشِ جام و سبو میں کھو گئے

حسنِ انساں سے رہے جو بے خبر
وہ عبادت اور وضو میں کھو گئے

یہ ہماری سادہ لوحی دیکھئے
ہم کسی کی آرزو میں کھو گئے

زندگی حسن کے

گویا سرشا

چار سُو زیست کے

کہیں کوئل کے

تیرے صنّاعوں کا

جن کی صنّاعی نے

جن کی محنت سے

جن کی صنّاعی سے

میری نظروں میں ہے فردا کا تبسّم ساقی
صبحِ خنداں کا ہے کانوں میں ترنّم ساقی
تُم نے چاہا تھا کہ کھو بیٹھوں میں شاعر کی نظر
ختم ہو جائے وہ فردا کی اُمیدوں کا اثر
مجھ کو بدمست نہ کر پائی مگر تیری شراب
تیری بے رنگ ادا، یہ تیرا بے کیف شباب
تیری مرضی ہو تو زہراب بھی پی سکتا ہوں
زندگی کا میں پرستار ہوں جی سکتا ہوں
میں وہ انساں ہوں جو شعلوں میں پلا ہے ساقی
وہ شجر ہوں جو خزاؤں سے لڑا ہے ساقی

معذرت

میں ابھی ہوش سے بیگانہ نہیں ہوں ساقی

ابھی دُھندلایا نہیں میرے تصوّر کا جہاں
میرا احساس جواں، میرا تخیّل ہے جواں
مئے گلرنگ نہ آئے گی مجھے راس ابھی
مجھ کو ماحول کی تلخی کا ہے احساس ابھی

میری نظروں میں ہے فردا کا تبسّم ساقی
صبحِ خنداں کا ہے کانوں میں ترنّم ساقی
تُم نے چاہا تھا کہ کھو بیٹھوں میں شاعر کی نظر
ختم ہو جائے وہ فردا کی اُمیدوں کا اثر
مجھ کو بدمست نہ کر پائی مگر تیری شراب
تیری بے رنگ ادا، یہ تیرا بے کیف شباب
تیری مرضی ہو تو زہراب بھی پی سکتا ہوں
زندگی کا میں پرستار ہوں جی سکتا ہوں
میں وہ انساں ہوں جو شعلوں میں پلا ہے ساقی
وہ شجر ہوں جو خزاؤں سے لڑا ہے ساقی

مجھ کو بخشی ہے حوادث نے قیامت کی نظر
سنگ ریزوں کو نہ سمجھا ہے نہ سمجھوں گا گہر
کبھی کھایا ہے نہ کھاؤں گا فریب اے ساقی
خوب دیکھے ہیں فراز اور نشیب اے ساقی
تیرا احسان نہیں مجھ کو گوارا ساقی
ہاں نہیں چاہیئے ساغر کا سہارا ساقی

میں ابھی ہوش سے بیگانہ نہیں ہوں ساقی

—



میں ہوں عابد اور تو معبود ہے
بس یہی کیا منزلِ مقصود ہے

وسعتِ قلب و نظر تو بخش دی
اور جہانِ آب و گِل محدود ہے

کر رہا ہوں طے خلا کے راستے
پھر بھی کیا میرا جنوں بے سود ہے

منزلِ انساں نہ بن، تیرے طفیل
راہِ فکرِ آدمی محدود ہے

اِک ذرا ذوقِ نظر کی ہے کمی
ورنہ کیا ہے جو یہاں مفقود ہے

بڑھ رہا ہے آدمی ہر راہ پر
گر اسیرِ فکرِ ہست و بود ہے



وقتِ رخصت چند آنسو بہہ گئے
کائناتِ دل کی حالت کہہ گئے

تم جو آئے دِل کا ہر غم دُھل گیا
تم چلے تو کتنے شکوے رہ گئے

گو بہت مشکل میں غم کے رات دن
سہتے سہتے ہم بھی آخر سہہ گئے

گنگناتی آنکھ جب شرما گئی
یہ ترے انداز سب کچھ کہہ گئے

تم تو آکر بھی تھے چپ چپ سے، مگر
جانے کیوں جذبات میں ہم بہہ گئے



رات ڈھلتی رہی، درد بڑھتا رہا
تا سحر یونہی سب کچھ بدلتا رہا

نیند آئی، چلی بھی گئی اور میں
لوریاں دے کے دل کو سُلاتا رہا

کتنی یادوں کے گلشن سجائے، مگر
پھر بھی کانٹوں سے دامن الجھتا رہا

غم کے نالے کبھی گیت بنتے نہیں
دل کے بربط پہ میں گیت گاتا رہا

رات سنسان ہے کوئی زندہ نہیں
تیرے غم کی بدولت میں جیتا رہا

کاش میری نگاہوں میں تم دیکھ لو
وہ حقیقت جو تم سے چھپاتا رہا



دم توڑ دے محشرِ جذبات، ذرا آج کی رات
دیکھ لیں صورتِ حالات، ذرا آج کی رات
کرب آمیز تو ہے ہجر کی ہر سانس، مگر
بیت جائیں گے یہ لمحات، ذرا آج کی رات

زخمِ دل عرش کے تاروں سے ہوا روشن ہوں
بس کچھ ایسی ہی کرامات ذرا آج کی رات

آج اور اک نے تھاما ہے جنوں کا دامن
کیجئے اور عنایات ذرا آج کی رات

لو وہ آثارِ طلوعِ مہِ تاباں بھی ہوئے
بانگ اے نوگرِ ظلمات ذرا آج کی رات

اُن کے آنے کا گماں ہے تو سنبھل جائے دل
بھول جا رسم و روایات ذرا آج کی رات

چشم میگوں ہو کرم تشنہ لبوں پر اب کے
اور دو چار اشارات ذرا آج کی رات

آئیے، صبح کی منزل پہ بھی پہنچا دوں گا
آپ پکڑیں تو مرا ہات ذرا آج کی رات

وہی زلف و لب و رخسار کی باتیں کب تک
چھیڑیئے کچھ تو نئی بات ذرا آج کی رات

نوزائیدہ بچے کے نام

خوشا نو بہارِ محبت کے پھول
خوشا زندگی کی بشارت کے پھول
خوشا تیری آمد ہے تجدیدِ نور
خوشا روپ کے جگمگاتے شعور

ذرا کھول آنکھیں چمن دیکھ لے

بساطِ جہانِ کہن دیکھ لے

نہ رو یونہی رونا ہے بے فایدہ

چمن سارا وقفِ غمِ دیکھ لے

فقط تو ہی عُریاں نہیں ہے یہاں

جوانی برہنہ بدن دیکھ لے

ترے ننھے ہاتھے یہ بل کس لئے

زمانہ شکن در شکن دیکھ لے

بھلا میں تجھے کیا سُنانے لگا

یونہی تجھکو ناحق ستانے لگا

تو ہے نو بہارِ محبت کا پھول
تو ہے زندگی کی بشارت کا پھول

ذرا دیکھ سپنوں کی پرواز دیکھ
کلی کے چٹکنے کے انداز دیکھ

فضائیں بھی گیتوں سے معمور ہیں
تمناؤں کے دل بھی مخمور ہیں

یہاں ہر نظر میں ہے تازہ نوید
یہاں ہر بشر ہے سراپا اُمید

ہر اک شے پہ رقصاں ہے تابندگی
یہاں زندگی ہے فقط زندگی

ابھی تو مگر کچھ اندھیرا بھی ہے
اجل کا یہاں پر بسیرا بھی ہے
یہاں نور بھی ہے سیاہی بھی ہے
یہاں شادمانی، تباہی بھی ہے
یہاں آشتی اور نفرت بھی ہے
ہے اخلاص بھی اور کدورت بھی ہے
یہاں گُل کے پہلو میں ہیں خار بھی
یہاں ہنستے کھلتے ہیں گلزار بھی

مُبارک ہو تجھ کو یہ عزمِ سفر

کہ جس کے لئے تُو ہے سینہ سپّر

مبارک تجھے یہ حسین روز و شب

غمِ روزگار و جہانِ طرب

"مگر اس سے آگے جہاں اور ہیں"

کٹھن ہیں بڑے امتحاں اور ہیں

بہت زلفِ گیتی تھی الجھی ہوئی

تھی ماضی کے ہاتھوں یہ بگڑی ہوئی

مگر ہم نے اس کو سنوارا بہت

تدبّر کے ہاتھوں نکھارا بہت
بہت ہم نے گیتوں کی تخلیق کی
کہ رقصاں ہے جن میں نئی زندگی
رسیلے، سریلے، ترنم بھرے
بچنے ہم نے نغمے تبسّم بھرے
یہ راہیں تھیں اُلجھی مگر ہم نے بھی
انہیں صاف کرنے کی کوشش تو کی

مگر اے میرے لال، اے نونہال
یہ ہے ارتقائے بشر کا سوال

ستاروں کی رفعت پہ رکھنا نظر

بھلا چھین لے اِن سے چشم نگہ

ہیں آگ اور شعلے جواں ولولے

بلند اور محکم تریں حوصلے

زمانے کی ٹھوکر سے ڈرنا نہیں

جھکا مت حوادث کے آگے جبیں

فلک سے بزرگی کی دستار لے

زمانے کی گردش سے رفتار لے

بھُلا مت تو ہے حسن و اُلفت کا راز

تو انسان ہے خالقِ سوز و ساز

ترے دل میں دردِ جہاں چاہیئے
محبت کا طرزِ بیاں چاہیئے

عمل، جہدِ پیہم کے ساغر اُٹھا
بڑے تلخ ہیں پر غٹاغٹ چڑھا

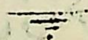
مگر میں تجھے کیا سُنانے لگا
یونہی تجھ کو ناحق ستانے لگا

ذرا دیکھ کھیتوں کا حُسن اور رنگ
گلستاں میں غنچے نکلنے کی اُمنگ

جہاں آسماں ہرمکھ کی وہ چوٹیاں
فلک سے جو کرتی ہیں سرگوشیاں
جہاں کوہسار اور حسین وادیاں
ہیں پر تولے جیسے پری زادیاں
جہاں ڈل کے سینے پہ رقصاں کنول
امڈتا ہوا جیسے جوبن سجل
وہ بگلوں کی اڑتی ہوئی اک قطار
ثریا یہ جانے کو ہے بے قرار
یہ فطرت کے ترشے ہوئے شاہکار
انہیں پاتے ہیں انتظار بہار

کرشمے یہ سب زندگانی کے ہیں
جسارت کے ہیں، کامرانی کے ہیں

یہی زندگی ہے حسین اور جواں
یہ ہوتی ہے ہر موڑ پر کامراں
مبارک، جبھی تجھ کو عزمِ سفر
کہ جس کے لئے تو ہے سینہ سپر





نظر گر ہو تو ہے مسلسل نظارا مل ہی جاتا ہے

دوستی میں کوئی ماہِ پارا مل ہی جاتا ہے

کبھی جب مسکرا کر مجھ سے کوئی بات کرتا ہے

تو دل کی بے بسی کو اک سہارا مل ہی جاتا ہے

میں جب بھی زندگی کی آخری سرحد پہ جا پہنچا

تو اکثر کچھ نہ کچھ تیرا اشارہ مل ہی جاتا ہے

یہ طوفاں ہیں گھرے بھی آگے بڑھے، اکثر

انہیں موجوں کی یورش میں کنارا مل ہی جاتا ہے



اے دوست شب تیرہ و تار کو کیا کروں
ظلمت نصیب ماہ کے پاروں کو کیا کروں

آنکھیں ہیں نم تو چہرۂ گلگوں اداس ہے
خود ہی کہو ہیں ایسی بہاروں کو کیا کروں

ہر چند تیری یاد تسلی تو دے گئی
تیرے بغیر ایسے سہاروں کو کیا کروں

شب بھر کے راہگیر ہیں، دم بھر کے ہم سفر

میں ایسے بے ثبات ستاروں کو کیا کروں

راہِ وفا پہ چل کے جو منزل نہ پا سکے

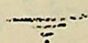
اُن بدنصیب درد کے ماروں کو کیا کروں

پل بھر میں جو کہ جل بجھے اور راکھ ہو گئے

بے رنگ و نور ایسے شراروں کو کیا کروں

ظلمت بدوش پستیوں میں ڈوب کر بھلا

میں تیرے اِن حسین اشاروں کو کیا کروں



رِستے ناسور

اجنبی انساں، میرے زخم ہائے دِل نہ دیکھ

میں نے بھڑکیلے لبادوں میں چھپایا ہے انہیں

یہ مرے بچے ؟ نہیں، یہ میرے بچے تو نہیں

یہ اپاہج ماں یہ بوڑھا باپ ؟ جانے کس کے ہیں

ہیں اِسی کشتی کے باسی کیونکہ واحد سی یہ شے
اپنا گھر ہے، اور بزرگوں کی ہے اِک اُجڑی سی دین
لیکن اِن کا مجھ سے کوئی واسطہ؟ بالکل نہیں
اور اگر یہ مان بھی لیں، دِل کے زخموں کی طرح
چمٹے رہتے ہیں یہ میرے ساتھ ہر دم، ہر گھڑی
خیر تم کو کیا غرض، میں کون ہوں، یہ کون ہیں

آ ذرا اِس میری بدماغی جوانی سے تو کھیل

دیکھ میں کتنی حسین ہوں، کتنی نازک، دلنوازنہ
میرے سینے کی یہ محزوطی اٹھانیں دیکھ لے
چھو ذرا اِن کو کہ تجھ پہ کیف سا چھا جائیگا
اِن میں بچوں کے لئے ہے دُودھ، تو تیرے لئے
اُٹھتے جوبن کا تبسّم ہے، جوانی کا نکھار
دیکھ لے یہ عارضِ رنگیں میں کتنے دِلفریب
جیسے میرے ہی وطن کے سیب ہوں یا ہوں گلاب
اِن کی سُرخی ہے اگر منت کشِ غازہ، تو کیا

چوم لے ان کو کہ وجد آور ہے ان کی رنگ و بو

یہ مری مخمور آنکھیں، بادۂ گلگوں کے جام

تلخیوں سے پُر سہی، پر تجھ کو تلخی سے غرض؟

کالے کالے لانبے ریشمی بالوں کے خم

میری ناہموار ہستی کی طرح ہیں پیچ دار

میری چتون، جس پہ اب بھی شوخیوں کا عکس ہے

میری ستواں ناک، ابرو پتلے پتلے سرخ لب

سب کے سب سارے کے سارے کس قدر ہیں بے عیب

حُسن گر کم جنسِ بازاری نہیں ہے پھر بھی آ
اور میرے آتشیں پیکر سے ہو جا ہم کنار
اور بچھا دے مجھ سے ہمدردی کی باتوں کا فسوں
ایسی باتیں سنتے سنتے کان میرے پک گئے
ایسی باتیں دل میں بھڑکاتی ہیں میرے آگ اب
پوچھ مت! یہ میرے بچے ہیں کہ میرے زخمِ دل
یہ اپاہج ماں، یہ بوڑھا باپ، میرے ہی ہیں سبھی
یوں رفاقت کے بہانے، میرے زخموں کو نہ چھیڑ

اِن سے بھڑکیلے لبادے مت ہٹا، نادان نہ بن

مجھ کو بھی عُریاں نہ کر اور خود بھی یوں عُریاں نہ ہو

ورنہ زخموں کے یہ رِستے بے پناہ ناسُور اب

اُبل آئینگے یہ بن کر ایک سیلِ بے کراں

اور لے ڈوبیں گے اُن عالم پناہوں کا وجُود

جن کی برکت سے میسر ہے سبیلِ روزگار،

اجنبی انساں، اُٹھ اور دم غنیمت جان لے

تو نے میرے جسم کا سودا کیا ہے شاد ہو
اس کے ہر اک انگ سے رس چوس لے بدمست ہو
آج تیرے سامنے ہیں اک جنسِ بازاری سہی
چند سکّوں کے عوض جو اپنی عصمت بیچ دے
آج میں ہوں تیری خاطر ایک سامانِ نشاط
آج مٹّی میں ملا ہے گروہِ نسوانی وقار
جو کہ ہے اک ماں کی پیشانی کا تابندہ جلال
آج تیرا ہی سہی، پر کل یہ مجھ کو ہے یقین

کل کی دُنیا میں چھپا ہے میری عظمت کا وقار

ورنہ بوالہوسوں کی خاطر کل ہے پیغام اجل

زہرِ شب کی تیرگی کا میں نے سارا پی لیا
اب تو بے کھٹکے چلی آ چمن میں اے صبا۔



آج آخر یہ کیوں دل کو تڑپانے کی بات

اُودی اُودی سی گھٹا ہے لب پہ پیمانے کی بات

عقل دھوکا دے تو دے لیکن جنوں ہے سر بلند

ہر قدم پہ یاد آئی ہم کو دیوانے کی بات

یہ وفا کی راہ ہے یاں اپنے منصب کو نہ دیکھ

سر فروشوں نے یہیں سمجھی ہے مر جانے کی بات

میری باتوں کو سمجھنا ہے تو ترکِ ہوش کر
ایک دیوانہ سمجھ سکتا ہے دیوانے کی بات

ہر قدم پہ تیز ہو جاتی ہے اُمیدوں کی لَو
یاد آ جاتی ہے جب بھی تجھ کو پانے کی بات

محتسب نے کُو بہ کُو پہرے لگائے ہیں، کہیں
میکشوں کے لب پہ آ جائے نہ میخانے کی بات

ہم نے ضبطِ عشق پر بھی صرف تیری چاہ کی
کام کچھ آئی نہ آخر دل کو سمجھانے کی بات

اپنے محسن سے بھی پردہ ہے بُری عادت حضور
بے زبانی بن کے رہ جائے نہ شرمانے کی بات

بخش دی ذوقِ جنوں نے قوتِ پرواز جب
کیوں نہ کرلیں پھر بلندی پر نکل جانے کی بات

جب قفس کی قید میں کچھ ہول سا آنے لگا
چُپکے چُپکے دل نے چھیڑی دل کو سمجھانے کی بات

ہر ستم نے ہم کو منزل کے نشاں بتلا دیئے
ہم نے سیکھی ہی نہیں ہے غم سے گھبرانے کی بات



تاریکیوں میں اِک کرن اُبھری، چلی گئی

گویا تمہاری یاد تھی آئی، چلی گئی

خوش تھا کہ بڑھ رہی ہے مرے دل کی بے کلی

اب کیا کہوں کہ چھوڑ کر وہ بھی چلی گئی

رحمت تمہاری آج تک مجھکو نہ پا سکی

ہر بار اپنی راہ سے بھٹکی، چلی گئی

حاصل ثبات کیوں نہیں فصلِ بہار کو
اک مژدۂ حیات سا لائی، چلی گئی

شاید نگارِ زیست نہیں مجھ سے آشنا
دم بھر کو میرے سامنے ٹھہری، چلی گئی

کیونکر جفائے وقت کا کوئی کرے حساب
اُبھری کہیں سے موج سی ڈوبی، چلی گئی

یوں بھی تمہارے حسن کو دیکھا ہے بارہا
بجلی سی اک نگاہ میں چمکی، چلی گئی

بھولا بسرا گیت کوئی لب پہ جب آ جائے ہے

عہد رفتہ کی کہانی دل مرا تڑپائے ہے

حسن جب تھی زندگی اور گلفشاں تھے رات دن

اُن دنوں کی یاد سے اب آنکھ بھر بھر آئے ہے

راہبر سے

میرے سادہ دل راہبر یہ بتا دے
تجھے زندگانی سے اُلفت نہیں ہے
تجھے اِس کی قدروں سے بھی دُشمنی ہے
ترے دل میں کیا اسکی عزت نہیں ہے

مجھے یاد ہے اک زمانہ ہوا، جب
تم ہی نے بہاروں کو مدعو کیا تھا
تم ہی سے وہ نغمے الاپے تھے جن سے
بہاروں پہ ہم کو یقین ہو گیا تھا

مجھے یاد ہے تیرا وعدہ ابھی تک
کہ اس ارضِ کشمیر کی ساری جنتا
خود اپنی ہی قسمت کی معمار ہوگی
مگر آج کیونکہ ترا عہد ٹوٹا

مرے سادہ دل راہبر، یہ بتا دے
کہ یہ سادگی یا کوئی ہشیاری ہے
گریز اپنے عہدِ وفا سے، بھلا کیوں؟
مجھے ڈر ہے شاید یہ سوداگری ہے

اگر ایسی ہی بات ہے میرے رہبر
تو میں کیسے کہہ دوں کہ یہ سادگی ہے
مجھ ہی پر ہے کیا منحصر ساری دُنیا
کہیگی کہ یہ رہبری، رہزنی ہے

تری ایسی سوداگری پر بھی، اپنے
عزائم جواں اور اٹل ہیں ارادے
کبھی ان میں لغزش نہیں آسکے گی
ہے کِسی میں یہ ہمت جو ان کو جھکا دے

یہاں وادیٔ امن میں وہ درندے
کبھی اپنے پاؤں جمائینگے ؟ مشکل
نہیں عسکریت کے زہر اب دے کر
ہماری بہاریں چرائیں گے ؟ مشکل

ہم ہی ہیں بہاروں کے شیدا و شائق
ہمیں اس چمن کی ہر اک شے ہے پیاری
ہم ہی خود ہیں اس کے نگہبان و مالی
ہم ہی نے ہے اس کی جوانی نکھاری

پھر اے میرے رہبر! گوارا ہو کیسے
خود اپنے وطن ہی کو تاراج کرنا
کوئی زندگی کی ودیعت کا وارث
گوارا کرے کیسے بے وقت مرنا



تُو جو ملا تو مجھ کو بھلا کیا نہیں ملا
ظلمت گہہ حیات کو ماہِ مبیں ملا

ذوقِ جنوں کے ساتھ جب سوزِ یقیں ملا
تُو دل کی آہٹوں سے زیادہ قریں ملا

وہ خوش ہیں اُن کو حاصلِ دنیا و دیں ملا
میں خوش ہوں مجھ کو اک دلِ اندوہگیں ملا

جانے مری تلاش کے پاؤں کہاں رُکیں
کوئی مقامِ شوق ابھی تک نہیں ملا

ذہنِ رسا کو دے کے بہت کچھ ملا مجھے
دیوانگی کے ساتھ دلِ آتشیں ملا

یہ اوجِ تصوّر ہے یا اعجازِ حقیقت
ہر اک خیال میں ترا روئے حسیں ملا

یہ عجزِ وفا ہے یا تری فتنہ خو ادا
مجھ سے اگر ملا بھی دمِ واپسیں ملا

ہے خوبیٔ وفا یا ترے پیار کا اثر
ہر گام کوئی نازنیں یا مہ جبیں ملا

مجھ کو نہ ہر اک بات پہ یوں شرمسار کر
کوئی گلہ نہیں کہ مجھے کچھ نہیں ملا





مری جاں گذار ہی دی شبِ غم اگر تھی بھاری
ترے کام آگئے ہیں مرے دل کے زخم کاری

شبِ غم کا ذکر ہی کیا شبِ مرگ ہے گوارا
تمہیں کھینچ کر جو لائے مرے دل کی بے قراری

ترے عشق سے فزوں تر نہیں کوئی شے جہاں میں
ترے عشق نے دیا ہے مجھے درسِ جاں نثاری

سرِ شام سے چمک کر یہی کہہ رہے ہیں تارے
ترے غم میں رک سکی ہے کبھی میری اشکباری

چلو خام کار ہوں میں مجھے اس کا غم نہیں ہے
مجھے فکر ہے کہ کب ہو سرِ دار کی تیاری

غمِ کائنات بن کر مرا عشق کھِل اُٹھا ہے
کئی مرحلوں سے گذری مرے دِل کی بے قراری

مرے وصل کسی دن تری زلف چھو ہی لیں گے
ترے عشق میں اگرچہ کئی بازیاں ہیں ہاری



پھر تری زلفِ طرحدار نہ جینے دیگی

تابشِ صورتِ گلنار نہ جینے دیگی

فطرتِ عشقِ وفادار نہ جینے دیگی

عادتِ حسنِ ستمگار نہ جینے دیگی

یوں تو سو بار جئے تیری عنایت کے سوا

اب عنایت تری اک بار نہ جینے دیگی

مجھ سے کم بخت کی حالت پہ نہ ہو جا غمگیں

تیری شفقت بھی ارے دلدار نہ جینے دیگی

یاد
(ایک سانیٹ)

شب کے سناٹے میں تھک کر اونگھتی ہے چاندنی
اور دھندلانے لگے ہیں عرش کے ننھے چراغ
ساقیٔ شب نے لبالب بھر دیئے گلگوں ایاغ
کچھ نکھر کر رہ گئی سبزے پہ ہلکی سی نمی

سو چکا ہے ہچکیاں بھر بھر کے برہن کا وہ گیت
بجتا ہے جو نبراد؟ آرزوؤں کا آہنگ

جس سے جاگ اٹھتی ہے دل میں دل کی خوابیدہ ترنگ
جب امڈ کر اشک بن جاتا ہے ارمانوں کا تیت

اندر ہیں سویا ہوا ہوں نیند کی آغوش میں
بے خبر ہوں صانع فطرت تمہارے رنگ سے

دفعتاً سیدا تخیل آ گیا پُر جوش میں
اور جاگ اٹھا میں عیاد رفتہ کی آہنگ سے

سہمے سہمے دِل نے اُٹھ کر پالیا پیغام کیا
جس کو سُن کر میں کسی کی یادِ غم میں کھو گیا

اے نگارِ صبحِ فردا، رُخ سے پردا تو اُٹھا
صورتِ امروز کو خود سے حجاب آنے لگا

درد یوں اُٹھنے لگا ہے دِل میں میرے ان دِنوں
گویا یہ بھی پیار ہی کا اِک سہانا گیت ہو

راہ اُلفت میں کبھی آتے ہیں ایسے بھی مقام
غم نہیں ہوتا کہ اپنی ہار ہو یا جیت ہو



تم کو دیکھا ہے تو جینے کے سہارے جاگے

دل کے ویرانے میں گلپوش نظارے جاگے

یوں تو چپ چاپ ہی کہیں تم نے ہزاروں باتیں

پھر بھی بے تاب نگاہوں میں اشارے جاگے

میری تاریک نگاہی کو مٹانے واسطے

تیری آہٹ پہ بہر گام ستارے جاگے

آج پھر تم نے کچھ اس ڈھنگ سے دیکھا مجھکو

دل کے دھڑکن سے مرے پیار کے دھارے جاگے

○

دِل کو اپنے محرمِ غم کیجئے
چشمِ شہلا کو ذرا نم کیجئے

تابِ نظّارہ نہیں بہرِ کرم
حُسن کی نالش کو کچھ کم کیجئے

بجلیوں سے کم نہیں جلوے کی تاب
زُلف اپنے رُخ پہ برہم کیجئے

ہیں بڑے آساں جنوں کے مرحلے
آگ اور پانی کو مدغم کیجئے

دیکھئے، ہنگامِ مے نوشی ضرور
جامِ اول نذرِ آدم کیجئے

آپ کی پرسش کا صاحب شکریہ
میری حالت کا نہ کچھ غم کیجئے

—

عزم

میں اپنی نعش آرزو خوشی سے دفن کر چکا

ہزار بار موت ہی سے پہلے بھی میں مر چکا

تھا زیست کا جو ماحصل لٹا کے ختم کر چکا

بیں بڑھ کے سوئے غم چلا
الم کے ہم قدم چلا
مگر نہ پھر بھی ایک دن سکوں سے آہ بھر سکا
جنوں جو میرے سر میں تھا مگر نہ وہ اُتر سکا
یہ کیسا عزم نامراد؟
زباں خموش تھی مگر یہ دل نے مجھ سے کیا کہا
ذرا سا سخت جاں تو بن ذرا سا پھر قدم بڑھا
اور اپنی آرزو کی لاش پر بھی کچھ خوشی منا

کہ آرزو ہے بے ثبات
طلسم گاہ ہے حیات
مگر شکستِ عزم کیوں؟ کہ کچھ بھی میں نہ کر سکا
میں آرزو کی دلکشی کے سامنے ہی جھک گیا
یہ کیسا عزم نامراد؟

دو شعر

ناز و ادا سے لہریں اُٹھ کر ساحل کا مُنہ چوم رہی تھیں
پیار بھی طوفاں بن جاتا ہے وقت کے دھارے جان گئے

جذبِ وفا نے دل پر آخر راز محبّت کھول دیا
ایک ذرا سی بات تھی جسکو سب کچھ ہارے جان گئے



زمانے سے وعدے کے اپنے دِل کو بہلانے سے کیا ہوگا

خیالوں میں کِسی مہ وش کو اپنانے سے کیا ہوگا

تمہارے غم میں رُسوا ہوگئے جتنا بھی ہونا تھا

اب آکر ترکِ غم کی بات سمجھانے سے کیا ہوگا

رہ ہستی میں جو بھی پالیا، تجھ پر نچھاور ہے
تری اُلفت میں آخر ایک دیوانے سے کیا ہوگا

ہمیشہ ہم نے ہنس ہنس کر ہزاروں زخم کھائے ہیں
مگر اب زخم ہائے دِل کو سہلانے سے کیا ہوگا

مرے دِل کی ہر اک دھڑکن نے بس اِک تجھ کو چاہا ہے
جو دھڑکن دِل کی رُک جائے ترے آنے سے کیا ہوگا

یہ مانا مجھ کو دِل ہی دل میں اکثر یاد کرتے ہو
مگر چھپ چھپ کے اپنے دل کو تڑپانے سے کیا ہوگا



شرطِ وفا ہے دوست ہر اک شے نثار کر

نقدِ حیات و جسم بھی وقفِ نگار کر

آشفتہ سر کبھو لیے یا سرگراں کبھو

دیوانۂ وفا کبھی بیٹھا ہے ہار کر

آتے نہیں پائے حرف کہ پیماں شکن ہیں، ہم

جتنا ہو ہے وقفِ رخِ گل عذار کر

ہے دسترس سے دُور ابھی بُوئے گلبدن
تزئینِ نو بہار سے دل شعلہ بار کر

ہر سانس ان کی آمدِ فرخندہ کا ثبوت
کچھ اپنے دل کی دھڑکنوں کا اعتبار کر

جو رہروانِ شوق تھے منزل پہ آ گئے
آئینِ عشق یہ ہے کہ طے رہگذار کر

مانا کہ اِس جہان میں پاسِ وفا ہے جُرم
اے دل مگر تو ایسی خطا بار بار کر



چھوڑو بھی خزاؤں کے قصے تعمیرِ چمن کی بات کریں
کچھ لالہ و گل کا ذکر کریں کچھ سرو و سمن کی بات کریں

آ جائے گا آخر موسمِ گل، اکسیر بنے گی خاکِ چمن
ہر شاخ سے نغمے پھوٹیں گے اِک ایسے قرن کی بات کریں

ہے مسلط رات ابھی، پرہول اندھیرے چھائے ہیں
جو نورِ سحر کی خالق ہے اُس شوخ کرن کی بات کریں

کیا ذوقِ نظر پہ پہرے یہاں، اور فکر و عمل پہ پابندی
یہ جبر و ستم ہی کیا کم ہے جو دار و رسن کی بات کریں

مینا و سبو میں رقص کرے اور جام بھی چھلکے ساقی
دنیا پر بھی میسر ہو تب جیسے اُس تشنہ دہن کی بات کریں

ناکامِ محبت ہو کر جب فرہاد نے سر پھوڑ لیا
معراجِ محبت یہ تو نہیں، کیا رسمِ کہن کی بات کریں

اے اہلِ قفس یہ موسمِ گل ہے نالہ و شیون کیا کیجے
کچھ ذکرِ نشیمن ہو جائے، کچھ اہلِ چمن کی بات کریں

اے دوست تعجب ہوتا ہے اُن لوگوں کی بدذوقی پر
کشمیر کے شاعر ہو کر بھی جو نجد و ختن کی بات کریں

سنتے ہیں کہ سینہ کانٹوں سے ہر چاکِ جگر کو سیتا ہے
اُس سوختہ جاں، اُس سوختہ دل، اُس سوختہ تن کی بات کریں



اک طرف سے بجلیوں نے راکھ کر ڈالے چمن
اک طرف سے گلشنوں کو مسکرانا آ گیا

ہم کو اے جورِ خزاں آنکھیں دکھاتا ہے عبث
ہم کو رنگیں نو بہاروں کو بلانا آ گیا

ایک تم ہی تو نہیں ہو مرکزِ صد آرزو
ہم کو حسنِ زندگی سے دل لگانا آ گیا

حسنِ گیتی! اس ترے رنگیں تبسم کی قسم
تیرے ہی جلووں سے ہم کو مسکرانا آ گیا



تقاضا یہ اُلفت کا ہرگز نہیں

زباں چُپ نگاہوں پہ لاکھوں گِلے

بھلا مٹا سکیں گے کبھی کوہکن

ذرا دیکھ خسرو! نئے قافلے

درِ میکدہ تو قریب آ گیا

اِرادوں نے کم کر دیئے فاصلے

چٹانوں سے جس نے تراشے صنم

تمہارے تبسم سے گلشن کھلے

سنو آ رہی ہے صدائے جرس

چلے آ رہے ہیں نئے قافلے

کھلے گل چمن ہو گیا سرخ رو

تبسم کے کتنے بڑھے حوصلے

یہ مانا کہ منزل بہت دور ہے

ہیں زیرِ سفر پاؤں کے آبلے

دعا سعیٔ فطرت سے ہے یہ مری

نگہداریٔ سوزشِ دل ملے

جسے اعتمادِ ارادہ نہیں

وہ کرتا ہے رونا آسماں سے گلے

اشارے سے تیرے ہے سحر بہشت

ترے ہی تبسم سے گلشن کھلے

امید بشر ہے نگارِ حیات

چلی آ کہ چاکِ جگر بھی سلے

جادۂ اُلفت کے پیچ و خم گئے

میرے دُکھ کے ہمنوا، محرم گئے

تُم ملے تو میرا سب کچھ کھو گیا

جن کا ہر پل ساتھ تھا ہمدم گئے



ساقی نے نگاہیں پھیر جو لیں پیمانِ وفا بیکار ہوا
اب جام و سبو کا کیا ہوگا اب پاسِ وفا کا کیا ہوگا

جب پھونک دے مالی ہی گلشن جب خاکِ چمن ہی اُڑ جائے
غنچوں کی ہنسی کا کیا ہوگا کلیوں کی ادا کا کیا ہوگا

گلشن میں لگا دے آگ کوئی ہو ٹہنی ٹہنی شعلہ بکف

مشاطِ چمن کا کیا ہوگا، پھر دستِ صبا کا کیا ہوگا

یہ دل ہمکو فریبِ حسن نہ دے اے رسمِ جفا کے شیدائی

جب اپنی وفا ہی ساتھ نہیں پھر تیری جفا کا کیا ہوگا

مانا کہ کٹھن ہے راہ مگر، ہم کو تو برابر چلنا ہے

اے راہ گذارو تم ہی کہو اس راہ نما کا کیا ہوگا

—



غم سے اپنی ہمنوائی ہو چکی
کارگر رسمِ جدائی ہو چکی
ضبطِ غم ہی گر مآلِ عشق ہے
ہو چکی مشکل کشائی ہو چکی

ناؤ گرداب بلا میں ڈال دی

نارسا کی ناخدائی ہو چکی

ہر قدم پر یوں حقائق سے فرار

اہل دل کی رہنمائی ہو چکی

آ بھی جا اے پیکرِ حسنِ بہار

اب بہت بے اعتنائی ہو چکی

—

محبت کی سنگین راہوں پہ چل کر میں یادوں کی محفل سجاتا رہا ہوں
وفاؤں کی ضوپاش کرنوں کے صدقے اندھیروں میں دیپک جگاتا رہا ہوں

تصوّر کے جھونکے کچھ اِس طرح آئے کہ شامِ الم بھی مہکنے لگی ہے
بیابانِ فرقت کو اے جانِ گلشن میں روحِ بہاراں بناتا رہا ہوں

نہ جانے یہ کیسی محبت ہے اپنی کہ تم سے بچھڑنے پہ غمگین نہیں دِل
وہی اک نظر کا نشہ ہے کہ اب بھی خوشی سے ہر اک غم اُٹھاتا رہا ہوں

وفاؤں کی راہوں کو بدنام کر کے یہ کس نے محبت کی توہین کر دی
انہی راستوں پہ گذر کر میں اکثر غمِ بیکسی بھی مٹاتا رہا ہوں



آج میخانے میں کوئی شے نہیں،
جام خالی ہیں تو خُم میں مے نہیں

اِس سے بڑھکر اور کیا ہوگا مذاق
جام دے کر کہہ رہے ہو مے نہیں

تم نہیں دیتے نہ دو پیرِ مغاں
ساغرِ دل میں مرے کیا مے نہیں

کون کہتا ہے کہ لازم ہے ممات
زندگی کیا موت کے در پے نہیں

زندگی بے ربط ہے تیرے بغیر
آ کہ سازِ دل میں کوئی لے نہیں



جو بیگانوں کو اپنا لیں حجاب ایسے بھی ہوتے ہیں

جو اپنوں ہی کو تڑپا دیں نقاب ایسے بھی ہوتے ہیں

فضا کی تیرگی میں بن کے مشعل جو چمکتے ہیں

چمن میں چند تابندہ گلاب ایسے بھی ہوتے ہیں

وفا کے جُرم میں پکڑے گئے ہیں آج دیوانے

حضورِ عشق میں ہم باریاب ایسے بھی ہوتے ہیں

کبھی جینے کو جی چاہے کبھی مرنے کو جی چاہے
کرم ایسے بھی ہوتے ہیں عتاب ایسے بھی ہوتے ہیں

تمہاری یاد میں میرے لئے جینا نہیں مُشکل
حقیقت کو بھی رشک آ جائے خواب ایسے بھی ہوتے ہیں

گرفتارِ بلا کر دیں چمن میں سعئ گلچیں کو
نہاں ہر شاخِ گُل میں اِنقلاب ایسے بھی ہوتے ہیں

وفورِ غیظ میں بھی اُن کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی
سوالوں کو جو شرما دیں جواب ایسے بھی ہوتے ہیں

—



پھر سے صف آرا ہوئی ہیں آسماں پر بجلیاں

پھر سے زد میں آگئے ہیں ننھے منھے آشیاں

کون شعلوں کو جلا کر راکھ کر سکتا ہے دوست

ہم نے مانا اُن کے قبضے میں ہے اِک برقِ تپاں

وقت ہے کہ باندھنے پڑے نغمہ ہائے جاں نواز
جن کی برکت سے ہیں ارباب بیداد اہلِ کاروان

مژدہ جشنِ بہاراں لے کے آئی ہے نسیم
نغمہ تحقیق سخن کر دی اک ٹھیر باغباں

کس قدر خوش ہے پیشانیٔ صبح جہاں
ہو گئے وقفِ خزاں قسمت کے سارے پاسباں

اے نگاہِ دل نواز میں اسے حیاتِ شاعر کی امید
آگہ تابندہ ہے تجھ سے صبحِ نو کی داستاں



ساغر و مینا ہو اچھلتی ہے شراب

بادۂ ناب سے [illegible] آفتاب [illegible]

[illegible] بہار رنگ و بو میں بیٹھے

کس لیے گم ہو گئے [illegible] انتظار [illegible]

آگئی [illegible] ہم کو [illegible]

[illegible] کا جواب

آپ کی اُس رنج کے قربان جائیے
جس نے بخشا زندگانی کو شباب

ننگ محمل کا بار ہی ہو جائے گا
دست ساقی سے ملے جو آفتاب

میری باتوں کا برا مت مانیے
میں نے پی ہے آج بے حد و حساب

کہہ دیا اہل جنوں ہر راز عشق
اب بھی کوئی کیا رہے زیر نقاب

تیرے ماتھے پہ شکن اور سہی

دِل پہ تیرفگن کی چبھن اور سہی

زُلفِ بیدادِ دراز اور دراز

دار کچھ اور رسن اور سہی

ہم بہرحال جئیں گے ، تاتا

تیری بیداد کے فن اور سہی

ذوقِ پرواز کا مٹنا ہے محال

آشیاں اور چمن اور سہی

یوں تو جینے کے بہانے ہیں ہزار

تیری رحمت کے چلن اور سہی

عرصۂ زیست نہ کر تنگ سنبھل

دشت کچھ اور دمن اور سہی

گر بانیٔ جور و جفا ہو تم، گر منبعٔ لطف و وفا ہو تم
تم جو کچھ بھی ہو تیری قسم ہم تم کو گوارا کر بیٹھے

گو دل ہے بڑا مظلوم و نڈر یا پھر بھی تو شکایت کوئی نہیں

جس حال میں یا تم نے رکھا ہے ہم اس میں گزارا کر بیٹھے

اے وحشتِ دل اس بے تابی جو بات بھی کی سو الٹی کی

جو کام نہ کرنا تھا ہم کو وہ کام تو سارا کر بیٹھے

اللہ کے یہ تم کو ڈھونڈ لیا اور کون و مکاں میں کھوج لیا

ہر آن نظر کے پاس ملے ہم جب بھی نظارا کر بیٹھے

ہر بار یہ تم نے پوچھا ہے، ہر بار یہ ہم نے سوچا ہے

کیوں ساتھ تمہارے رہ کر بھی ہر شے سے کنارا کر بیٹھے

بابِ رخصت جو بند ہو جائے

دردِ دل کا دوچند ہو جائے

یوں تو ممکن نہیں ہے اے ہمدم

زلفِ جاناں کمند ہو جائے

ہم خلوصِ وفا بھی لائے ہیں
کچھ تو شاید پسند ہو جائے

آپ آئیں تو بات بن جائے
زہرِ قاتل بھی قند ہو جائے

○

سرفروشی کا مدّعا یہ ہے
فرقِ انساں بلند ہو جائے



مطرب نہ روک نغمۂ توبہ شکن ابھی
ٹوٹے نہیں سلاسلِ عہدِ کہن ابھی

گلہائے نو بہار کو کھلنا تو ہے ضرور
مانا خزاں نصیب ہے صحنِ چمن ابھی

ہر کوہ کن کی محنتیں پھل لائیں گی، مگر
قبضے میں خسروؤں کے ہے نہرِ لبن ابھی

اہلِ سخن کی شعلہ نوائی چمن چمن
تاریک ہے کہیں کہیں رنگِ سخن ابھی

ہر مرحلے پہ زیست ہوئی کامراں، مگر
باندھے ہے سر سے آج بھی انساں کفن ابھی



مری صیاد نے کھینچی زباں تک
کبھی کرنے نہ پاؤں میں فغاں تک
کبھی نقشے جمے ہیں ریگِ ہستی
اڑی اکثر ہے گردِ کارواں تک

یہ بیتابی، یہ شوخی اور تیزی
چُرالی ہیں کسی نے بجلیاں تک،
کسی کے تیرنے پر نوچ ڈالے
ابھی آیا نہ تھا میں آشیاں تک
محبّت دل کی عادت کیا کہوں میں
کہاں سے لے اُڑی مجھکو کہاں تک
قفس اور رائیگاں فریاد میری
بہت ظالم ہیں ننھی تیلیاں تک



نہ جفا کا تیری شکوہ نہ وفا پہ اپنی نازاں
مجھے ڈر یہ ہے کہ دنیا تجھے بے وفا نہ کہہ دے



مرے حبیب تری مسکراہٹوں کی قسم
ترے فریب نے جینا سکھا دیا مجھ کو



اسیرئے عشق ہستی تشنۂ تکمیل ہے
عشق حکم لا تغیر زندگی تبدیل ہے



دمِ نزع ذوقِ ہوس کیا قیامت
کہ ہچکی ہے ہچکی کا ہاتھ ڈھونڈے



نہاں ہے عشق کے پردے میں محویت کتنی
کسی کی یاد میں بھولے ہیں ہم زمانے کو



مٹایا احتیاط، ایماں، سکونِ دل محبت نے
قسم ہے تیری خودداری رہی اک آبرو باقی



مجھے تو فروغِ جستجو، ان کو حجاب کی ہوس
ان کی نگاہ جھک گئی میری نظر کے سامنے



نگاہیں دل کی باتیں کہہ چکی ہیں
ذرا کہہ دیجئے کچھ تو زباں سے



نہ سمجھو تم دھواں آہوں کا اس کو
یہ گرد کاروان زندگی ہے



گو ناک کے پتلے ہیں مگر اتنا یقین ہے
بے مہر زمانے تجھے ہم یاد رہیں گے

